© rasailojaraid.com

اعضاء کی پیوند کاری......سیرت طیبہ اور انشورنس (قسط:۷)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

دوسری حدیث:

صحاح ستہ اور دیگر تمام معتبر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لعن اللّٰہ الواصلة والمستوصلة“ ترجمہ: اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی کتابوں میں درج ہے کہ ایک انصاری عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض گزار ہوئی کہ حضور! میری ایک بیٹی کی تھوڑا عرصہ پہلے شادی ہوئی ہے اور وہ خسرہ کی بیمار ہوگئی جس سے اس کے سر کے بال اُڑ گئے ہیں، تو کیا میں اس کے بالوں کے ساتھ اور بال جوڑ لوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی دونوں لعنتی ہیں۔

کچھ غور فرمایا آپ نے؟ یہاں تو ایذا رسانی کا کوئی سوال نہیں، بلکہ بعض اوقات ایک آدمی بالوں کو بوجھ سمجھ کر اپنے سر کو ان سے آزاد کرانا چاہتا ہے، وہ تو اُلٹا بالوں کے اتروا دینے سے راحت محسوس کرتا ہے، پھر بھی اس کے بال دوسرا آدمی حتیٰ کہ کوئی عورت بطور علاج بھی کام میں نہیں لا سکتی۔

تیسری حدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے چند ہدایات دیتے تھے، جن میں سے ایک یہ ہوتی تھی **لا تمثلوا** یعنی فتح یابی کے بعد دشمن کے ناک، کان، ہونٹ وغیرہ نہ کاٹے۔ (مسلم شریف)

جنگ احد میں کفارِ مکہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی قلق پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ دشمن سے اس کا بدلہ لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا مگر قرآن پاک میں سختی سے اس کی روکاوٹ کر دی گئی۔ تو جو شریعت دشمن کو بدزیب بنانا گوارا نہیں کرتی، جب کہ کافر کسی تعظیم و تکریم کا مستحق نہیں ہے تو کیا وہ کلمہ گو مسلمان کے بارے اس کی اجازت دے گی؟

کتب فقہ اور اعضاء کی پیوند کاری:

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم فقہی لحاظ سے حنفی مسلک کے پیروکار ہیں اور ہمارے پاس فقہ حنفی کے علاوہ کسی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ کی (چند مختصرات کے علاوہ) کتب نہیں ہیں، اس لیے ہم یہاں فقہ حنفی کی معتبر کتب کے چند حوالہ جات پر اکتفا کریں گے۔ یہ حوالہ جات ان فقہی عبارتوں کے علاوہ ہیں، جو پہلے نقل ہو چکی ہیں۔

حالت اضطرار میں انسانی گوشت کھانا:

”مضطر لم یجد میتة و خاف الھلاک فقال له رجل اقطع یدی و کلھا او قال اقطع منی قطعة و کلھا لا یسعه ان یفعل ذلک و لا یصح امره به کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من نفسه فیأکل“

(فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ نولکشور، ص: ۷۸۰۔ فتاویٰ عالمگیر مطبوعہ کوئٹہ، ج: ۵، ص: ۳۳۸۔ فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ، ج: ۶، ص: ۳۶۶۔ خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۴، ص: ۳۶۶)

ترجمہ: ایک شخص حالت اضطرار میں ہے اور اسے کوئی مردار (یا سور کا گوشت) نہیں مل رہا۔ اور اسے مر جانے کا اندیشہ ہے، ایک شخص نے اس سے کہا کہ تو میرا ہاتھ کاٹ کر اسے کھالے، یا یوں کہا کہ میرے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر اسے کھالے تو اس کے لیے ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس بات کی اجازت دینا بھی صحیح نہیں ہے، جس طرح کہ مجبور آدمی کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر کھالے۔

انسانی اعضاء سے فائدہ اٹھانا:

”الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز“ (فتاویٰ عالمگیریہ، ج: ۵، ص: ۳۵۴)

ترجمہ: انسانی اعضاء سے کسی طرح نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

”رجل برجله جراحة قالوا یکره له ان یعالجه بعظم الانسان...... لانه محرم الانتفاع“ (خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۴، ص: ۳۶۱۔ فتاویٰ عالمگیریہ، ج: ۵، ۳۵۴)

ترجمہ: ایک شخص کی ٹانگ میں زخم ہو تو اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ انسان کی ہڈی سے اس کا علاج کرے کیونکہ اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

”ولو سقط سنه یکره ان یأخذ من میّت سنه فیشدھا مکان الاوّل بالاجماع“

(بدائع، ج: ۵، ص: ۱۳۳)

ترجمہ: اگر آدمی کا دانت گر جائے تو یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ کسی مردہ کا دانت لے کر اسے پہلے کی جگہ لگا دے۔ اس پر فقہاء متفق ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلہ میں تو فقہاء اسلام یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی اور آدمی کا دانت لگوایا تو اس دانت کے ہوتے ہوئے نماز تک صحیح نہیں ہوتی۔ دیکھیے خلاصۃ الفتاویٰ، البحرالرائق وغیرہ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا اور کوئی صاحب جو اعضاء کی زیر بحث پیوند کاری کو درست قرار دیتے ہیں، انھیں مغالطہ یہ ہے کہ انھوں نے انسان کو اپنے بدن کا یا بدن کے اعضاء کا مالک تصور کر لیا ہے، اس لیے ان کا خیال ہے کہ ہر شخص کو اپنے بدن میں ہر قسم کے تصرف کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یوں نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک آدمی کے لیے اجازت ہوتی کہ وہ پریشان کن حالات میں تنگ آ کر اپنے آپ کو قید حیات سے آزاد کرا لیتا، جب کہ اس کے بر خلاف قتل کرنا، شرک کے بعد دوسرے نمبر پر گناہ کبیرہ ہے اور پھر دوسرے کو قتل کرنے سے، خودکشی اور زیادہ بڑا گناہ...... یوں کہیے کہ عملی گناہوں میں سب سے بڑا اور بدترین گناہ ہے۔ **اعظم وزرا من قتل غیرہ**. (درمختار)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسے آدمی کا جنازہ لایا گیا جس نے تیر کے پھل سے اپنے آپ کو مار دیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**اما انا فلا أصلّی علیه**''۔ میں تو اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کرتا۔ (مسلم شریف و نسائی وغیرہ) اس حدیث کی بناء پر بعض ائمہ دین نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کی رکاوٹ فرما دی ہے، جب کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ خواص ایسے آدمی کا جنازہ نہ پڑھیں، عوام ادا کر لیں۔

مختصر یہ کہ اس مسئلہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، اسی لیے فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ اتنا کھانا کھانا جس سے آدمی کی زندگی بحال رہے، فرض ہے۔ اگر نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے، تو وہ بھی خودکشی کا مرتکب شمار ہوگا۔ اس کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کھانے کے لیے جب آدمی کو کچھ میسر نہ آئے اور حالتِ اضطرار میں اسے کہیں سے مردار یا خنزیر کا گوشت بھی نہ ملے، پھر بھی وہ اپنا یا کسی اور آدمی کا بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر جان بچانے کے لیے اسے نہیں کھا سکتا، (جیسا کہ ابھی البدائع کا حوالہ گزرا ہے) تو پھر علاج کے لیے ایک آدمی کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے میں فٹ کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

اور معاف کیجیے، اگر سہولتیں پیدا کرنے والے حضرات یوں Undue اجازتیں دیتے چلے گئے تو نہیں کہا جا سکتا، بات کہاں تک جا پہنچے گی؟ وہ وقت دور نہیں، جب کہ اچھے سے اچھا انسانی تخم، مشینی آلات کے ذریعے رحموں میں پہنچایا جائے گا اور اس وقت کے فضلاء کہیں گے:

> ''ہمارے نزدیک ایسی صورت میں جب کہ ایک مال دار جوڑا اولاد سے محروم ہے اور وہ اپنے دھن دولت کے بارے میں فکر مند ہے کہ اس کا کیا ہوگا یا اولاد کی فطری خواہش ہو اور اس مصنوعی طریقہ سے اولاد حاصل کی جا سکتی ہو، تو ایسا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہماری غیر مسلم ہمسایہ قوم (ہندو) نیوگ جیسے قبیح اور حیا باختہ فعل کی روادار ہے، تو کیا بعید ہے کہ ہمارے سہولت پسند اور تقاضائے وقت کا بہانہ ڈھونڈنے والے ”مجتہدین“ بھی کئی ناجائز کاموں کو جواز کا درجہ دے دیں۔

سیرت طیبہ اور انشورنس:

جناب ڈاکٹر صاحب کا دوسرا خطبہ ”تاریخ حدیث شریف“ کے عنوان سے ہے۔ اس میں موصوف نے میثاق مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے انشورنس (یعنی بیمۂ زندگی) کے بارے میں فرمایا:

> ”مدینہ منورہ میں دو مسئلے بہت اہم تھے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص غلطی سے کسی شخص کے قتل کا مرتکب ہوتا تو اسے خون بہا دینا پڑتا تھا۔ خون بہا کی رقم رواج و قانون کے مطابق اتنی زیادہ تھی کہ عملاً ساری آبادی میں سے ایک آدھ شخص ہی ادا کر سکتا تھا۔ دوسرے لوگوں کے لیے وہ ناممکن سی بات تھی، یعنی ایک سو اونٹ۔...... اس کے لیے اجتماعی انشورنس کا انتظام کیا گیا یعنی ایک قاتل ہی اس کا ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ پوری انشورنس کمپنی اس کی ذمہ داری قبول کرے گی اور اس کی طرف سے خون بہا ادا کرے گی...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام کیا کہ مدینہ منورہ میں ہر ہر قبیلے میں ایک انشورنس یونٹ قائم فرمایا اور یہ کہا کہ تمھارے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل یا گرفتاری کے سلسلے میں رقم ادا کرنی ہو اور وہ شخص ادا نہ کر سکے تو یہ انشورنس یونٹ ادا کرے گی اور اگر کسی یونٹ کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو حکم تھا، اس کے قریبی محلے کی جو انشورنس یونٹ ہے، وہ اس کے ساتھ تعاون کر کے رقم ادا کرے گی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ ہو تو دوسری یونٹ سے انتظام کیا جائے۔ جب ساری آبادی کی یونٹیں بھی بار نہ اٹھا سکیں تو ایسی صورت میں حکومت بھی مدد کرے گی“۔

خطبہ کے اختتام پر جب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو سوال نمبر ۱۱ کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا، اس کے چند جملے درج ذیل ہیں:

> ”عہد نبوی میں جو انشورنس کا نظام تھا وہ MUTUALIST INSURANCE سے کچھ قریبی مشابہت رکھتا ہے۔ وہ حقیقت میں ایک دوسرے کے تعاون اور امداد باہمی کے اصول پر مبنی تھا۔ یعنی ایک قبیلے کے جملہ افراد اپنے قبیلہ کی انجمن کے خزانے کو سالانہ تھوڑی تھوڑی رقم دیتے ہیں اور جب کبھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے، تو کمپنی کا یہ سرمایہ جو سارے افرادِ قبیلہ کی طرف سے آیا تھا، اس ایک شخص کی ضرورت کے کام آتا ہے جسے ہرجانہ ادا کرنا ہے“۔ (خطبات، ص: ۷۹۔۸۰)

ڈاکٹر صاحب کے ارشادات کا جائزہ لینے سے پہلے ہم قارئین کو ”انشورنس“ کے پس منظر کی طرف توجہ دلائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گےاور سلسلہ میں ہم قوم بنی اسرائیل (یہود) کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

بنی اسرائیل کا تعارف:

قارئین کی اکثریت جانتی ہے کہ ’’اسرائیل‘‘ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ آپ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ آپ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن میں سے ایک سیدنا یوسف علیہ السلام تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تو آپ علیہ السلام نے اپنے والدین اور گیارہ بھائیوں کو وہیں بلوالیا۔ آپ علیہ السلام کی حیات میں ان لوگوں کی خاصی آؤ بھگت رہی مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد آہستہ آہستہ ان کا کوئی وقار نہ رہا۔ ان کے بارہ قبیلے ہو چکے تھے، انھی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ علیہ السلام اپنی قوم کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوئے۔ بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے یہ واپس اپنے وطن آ گئے۔

بنی اسرائیل کی اخلاقی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ بدعہدی، کینہ پروری اور لالچ جیسی بڑی صفات ان کی انفرادی اور قومی زندگی میں رچ بس گئی تھیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں وہ رہ رہ کے ذلت آمیز کردار کے نمونے پیش کرتے رہتے تھے۔ دو شخص انتہائی بدبخت شمار ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کسی نبی کا قاتل ہوا اور دوسرا وہ جو کسی نبی کے ہاتھ سے قتل ہو۔ بنی اسرائیل ایسے بدبخت تھے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے سے نہیں چوکتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’وَ یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ‘‘۔ (البقرہ: آیت: ۶۱)

بنی اسرائیل کی شقاوت اور بدبختی کو طویل تاریخ میں دو اہم واقعات، تورات کی پیش گوئی کے مطابق پیش آئے۔ پہلا یہ کہ عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کیا اور ہزاروں کو قتل کرنے کے بعد ہزاروں کو جنگی قیدی بنا کر عراق لے آیا۔ بعد ازاں ایران کے بادشاہ نے عراق پر چڑھائی کی اور فتح یاب ہونے کے بعد اس نے بنی اسرائیل کو وطن واپس جانے کی اجازت دی۔ دوسری مرتبہ رومی فلسطین پر حملہ آور ہوئے اور اسے تاخت وتاراج کیا۔ اب ان میں سے ایک بڑی آبادی نے عرب کا رخ کیا اور تورات ہی کی پیشینگوئی کے مطابق کھجوروں والے علاقے میں (یثرب اور خیبر) میں آباد ہو کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا انتظار کرنے لگے۔

یہودیوں کی ایک بری عادت:

یہودی جن بری عادات میں مبتلا تھے، ان میں سے ایک حرام خوری کی صفت ہے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ ان کی اس وصفِ شنیع کا ذکر آیا ہے: اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ‘‘۔ (سورۂ مائدہ: ۴۲) یعنی یہ لوگ بڑھ چڑھ کر حرام کھانے والے ہیں۔

’’یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ اَکۡلِهِمُ السُّحۡتَ‘‘

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: یعنی یہ لوگ گناہ کرنے، زیادتی کرنے اور حرام کھانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہودی عالموں اور درویشوں کی اپنے فرض سے غفلت:

قومی بگاڑ اس وقت تک قابلِ اصلاح ہوتا ہے، جب تک کہ مذہبی پیشوا اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور اگر یہ طبقہ اپنے فرض سے غافل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ مرض بڑھتا چلا جائے گا۔ بدقسمتی سے بنی اسرائیل کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ نہ ان کے مولویوں کو اصلاح کی کوئی فکر، نہ پیروں فقیروں کو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کی فرض ناشناسی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:

'' لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ''۔(مائدہ:۶۳)

ترجمہ: ان کو درویش لوگ اور عالم کیوں نہیں روکتے بری بات کہنے اور حرام کھانے سے۔ وہ لوگ بہت ہی برا کرتے ہیں۔

اوروں کو روکنا تو کجا؟ الٹا یہی مولوی اور درویش دولت کے پجاری بن گئے۔ عوام کی مرضی کے مطابق فتوے دے کر اور شرعی احکام میں ہیرا پھیری کر کے روپیہ کمانا ان کا شیوہ بن گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا:

'' اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ''(توبہ:۳۴)

ترجمہ: یقیناً بہت سے عالم اور پیر لوگ ناحق لوگوں کے مال بٹورتے ہیں۔

چلو تم ادھر ہوا ہو جدھر کی:

قومی بدبختی اس وقت نقطۂ عروج تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ قوم کا مذہبی طبقہ بدکاری میں قوم کا ہمنوا ہو جائے۔ ایک انگریز عیسائی نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ خنزیر مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک حرام ہے۔ مگر عیسائی بے تکلف اس کو کھاتے ہیں جبکہ مسلمان بالعموم اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ مسلمان نے اس کا یہ جواب دیا: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی طبقہ اس کے قریب نہیں گیا، اس لیے ان کے عوام میں اس کی حرمت کا احساس باقی ہے جب کہ پادری لوگ بے تکلف اس کو کھاتے ہیں، اس لیے ان کے عوام میں حرمت کا احساس نہیں رہا''۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انھیں روکا، وہ باز نہ آئے تو وہ عالم بھی ان لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے لگ گئے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۳۸)

مکافاتِ عمل قدرت کا قانون ہے، نیکی کا انجام نیک اور برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔ جب بنی اسرائیل قوم من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیث القوم، عصیاں کاری میں مبتلا ہوگئی تو قہرِ الٰہی جوش میں آیا۔ یہ قوم لعنت کی مستحق ٹھہری۔ رحمت الٰہی سے محروم ہو کر بربادی کا شکار ہوئی، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

" لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ "۔(مائدہ:۷۸)

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی، ان پر (حضرت داؤد اور (حضرت) عیسیٰ کی زبانی پھٹکار پڑی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمان ہو گئے اور زیادتی پر زیادتی کرتے چلے گئے۔

زبور اور انجیل میں صدہا تحریفات کے باوجود، ان لعنتوں کا ذکر اب بھی موجود ہے۔

اُمّت مسلمہ کے لیے تنبیہ:

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو تنبیہ فرمادی تھی کہ آگے چل کر یہ نہ بنی اسرائیل کی راہ پر چل نکلے تا کہ کہیں اس کا انجام بنی اسرائیل کا سا نہ ہو۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ ارشاد ہوا:

" لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر ذراعا بذراع حتی لو دخل احدھم حجر ضب لدخلتموہ "

ترجمہ: (اندیشہ ہے) کہ تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں پر چل نکلو گے۔ بالشت کے برابر بالشت، ہاتھ کے برابر ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی آدمی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو تم بھی داخل ہو کر رہو گے۔

اس تنبیہ اور تحذیر کے باوجود، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کا اندیشہ وہ پوری ہو کر رہی۔ بود و باش سے لے کر نظریات وافکار تک تمام امور میں مسلمان، یہود و نصاریٰ کے پیروکار اور نقال بن گئے۔

اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ:

بنی اسرائیل کی بداعتقادی، بدعملی اور بداخلاقی کی تاریخ دیکھنا ہو تو قرآن پاک کی ابتدائی سورتوں کو پڑھ کر دیکھیے۔ سورۃ النساء کی آیات نمبر ۱۵۳ تا ۱۶۱ میں اس بدقماش قوم کی کم بیش ایک درجن برائیاں گنوائی گئی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر۔ حتیٰ کہ یہ فرمادیا گیا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑی دشمن نمبر ایک پر یہودی اور نمبر دو پر مشرکین ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:" لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا "۔(مائدہ:۸۲)

گزشتہ چودہ سو سال میں پھیلی ہوئی یہودیوں اور ہندوؤں کی تاریخ اس قرآنی دعویٰ کا بین ثبوت ہے اور یہودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبیث آج ہی نہیں عہدِ نبوّت میں بھی کہتے تھے: " لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ " ۔ (آل عمران: ۷۵) یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی کر گزریں، ہم کوئی قصوروار نہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کے خلاف جب کبھی کوئی سازش ہوئی اس کے پس پردہ یہودی دماغ اور یہودی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ یہودی دماغ شیطان کا کارخانہ ہے جو مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں سوچتا اور انھیں عمل میں لاتا رہتا ہے۔

یہودی اور سود خوری:

یہودیوں کو تورات میں سود کھانے سے رکاوٹ کردی گئی تھی۔ چنانچہ سینکڑوں تحریفات کے باوجود آج بھی تورات میں امتناعی احکامات موجود ہیں۔ یہودی بنیا ہر دور میں سود خوری پر کمر بستہ رہا اور زیادہ سے زیادہ Interest کمانے کے لیے وہ نئی سے نئی اسکیمیں نکالتا رہا۔ اس کے باوجود اس کا تنورِ شکم بھرنے کا نام نہیں لیتا اور وہ مسلسل ھَلْ مِن مزید کی صدا لگا رہا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں، وہ ہر ممکن طریق سے لوگوں کا مال بٹورنے کی فکر میں رہا۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

" وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰو وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ " ۔ (سورۂ نساء: ۱۶۱)

ان لوگوں کی خباثتوں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے پیسے کمانے کے لیے قحبہ خانوں کا آغاز کیا تھا حتیٰ کہ خود یثرب (مدینہ شریف) میں یہ کاروبار شروع کر رکھا تھا۔

اسلام میں دیت کا حکم:

شرک کے بعد اسلام میں دوسرے نمبر کا گناہ کسی کو ناحق قتل کرنا ہے مگر وہ جو قصداً اور عمداً ہو۔ قرآن پاک میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

" فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا " (نساء: ۹۳)

اور خدانخواستہ جو قتل خطاً ہو جائے تو اس صورت میں وقوعہ کے دو پہلو سامنے آتے ہیں، ایک قاتل کے لحاظ سے، دوسرا مقتول کے لحاظ سے۔ قاتل کے بارے میں یہ حقیقت غور طلب ہے کہ اس کا قصد اور ارادہ اس آدمی کو مارنے کا ہرگز نہیں تھا۔ مقتول کے بارے میں یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ بلا وجہ ایک بے قصور آدمی کی جان لے لی گئی اور ہوسکتا ہے کہ وہ حال یا مستقبل میں ایک گھرانے کا سربراہ ہو، اس کی وفات سے ایک کنبہ بے سہارا ہو گیا۔ ایک قریبی عزیز کی جدائی کا صدمہ الگ اور یہ دکھ اور پریشانی الگ۔ تو شریعت مقدسہ نے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا۔ قاتل پر قصاص تو نہیں ہے اور وہ گناہ گار بھی نہیں ہے، یوں وہ آخرت کے وبال سے بچ گیا۔ مگر مقتول کے گھر والوں کی اشک شوئی اور ان کے نقصان کی تلافی ضروری تھی، اس لیے شریعت نے قاتل پر ایک تو کفارہ لازم کیا کہ اگر اس کے ملک میں مسلمان غلام موجود ہو تو اسے آزاد کرے، ورنہ دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ دوسری اس پر دیت لازم کردی کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیت کی مقدار خواہ کچھ بھی ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک انسان کی جان کا بدل نہیں ہوسکتی، مگر کوئی حد تو آخر مقرر کرنی تھی، چنانچہ وہ مقدار سو اونٹ ہے۔ اب یہ مقدار بظاہر اتنی زیادہ ہے کہ غریب یا متوسط طبقے کے لیے اس کی ادائیگی تقریباً ناممکن ہے تو اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ایک مجرم کی بجائے اس کی خویش قبیلہ اجتماعی شکل میں اس بوجھ کو برداشت کرے اور وہ بھی یکمشت ادائیگی کی صورت میں نہیں بلکہ تین سال تک بالاقساط واجب الاداء قرار دی گئی۔ دیت کا یہ رواج جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے جاری رکھا، اب اس لحاظ سے نہیں کہ یہ خطۂ عرب کا قدیم رواج ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہونے کی حیثیت سے یہ شریعت کا قانون ہے۔ کتب حدیث میں متعدد روایات موجود ہیں۔

قرابت داری کے لحاظ سے انسانوں کی تقسیم:

عرب میں برادری کی تقسیم کچھ اس طرح سے چلتی تھی:

۱۔ **شَعُب۔** یعنی وہ لمبی چوڑی برادری جو آگے شاخ در شاخ تقسیم ہوتی چلی جائے۔

۲۔ **قبیلہ۔** یہ شعب (قوم) کی شاخ ہوتی ہے، جو آگے کئی حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

۳۔ **عمارہ۔** قبیلہ کی ہر شاخ کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ **بَطن۔** عمارہ کی ہر شاخ کو بطن کہتے ہیں۔

۵۔ **فَخذ۔** بطن کی ہر شاخ کو کہتے ہیں۔

۶۔ **فَصِیلہ۔** ایک خاندان کو کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر مُضر ایک شَعُب ہے۔ کِنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قُصیب ایک بطن ہے۔ ہاشم فخذ ہے اور بنو عبدالمطلب فصیلہ ہے۔ قرآن پاک میں شعب، قبیلہ اور فصیلہ کے الفاظ آئے ہیں۔

اب دیت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ پہلے تو خاندان پر تقسیم کی جائے، اگر پوری نہ ہو تو پھر آگے الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت بڑھتے چلے جائیں۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com